دواہم تاریخی تنقیدی محاکمات "تبصرہ" اور "محاسبہ" کے تناظر میں منیر انکوائری رپورٹ(1954ء)کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Munir Inquiry Report (1954) in the Light of Two Significant Historical Inquisitive Documents-"Tabsara" and "Muhasiba"

Muhammad Ahmed Tarazi(mahmedtarazi@gmail.com)
Dr. Mazher Hussain
Assistant Professor, Department of History
Islamia University, Bahawalpur

Abstract

Khatm e Nabuwwat Movement which finally and effervescently culminated in 1974 experienced tragic nuisance in its preliminary phase of 1953-1954 when a number of causalities occurred in the name of assuring "peace" while handling "law and order" situation. This historic episode contains a lot of material for historians, law and policy makers. It also provides some insight into the functioning of judicial commissions and the responses of civil society as well as religious and other concerned quarters. Munir Inquiry Report (1954) is one of such significant chapters of country's history whose impact and efficacy cannot be ignored. Moreover; this report was placed on anvil of criticism and a number of stakeholders analyzed it differently. However; two of these critics were also part of the said judicial inquiry and they responded to this report in order to demand optimum justice to the events. The article in hand is an analytical study of two historic inquisitive documents published by two significant quarters of the then "Majlis-e-Amal" (the Action Committee) i.e. "Tabsara" of Jamat-i-Islami and "Muhasiba" of Maulana Murtaza Khan Maikash--a renowned Sunni Scholar.

Key Words: Khatm e Nabuwwat, Inquiry Report, justice, civil society

تاریخی پس منظر (Retrospect)

عقیدہ ختمِ نبوت اسلام کی بنیاد اور وہ اساس ہے جس پر دینِ اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو جسدِ اسلام کی روح ہے۔ اِس عقیدے کی اِسی اہمیت اور نزاکت کے پیشِ نظر مسلمان ہر دور میں تحفظِ ختمِ نبوت کے لیے بڑے حساس اور چوکس رہے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی کمینہ خصلت نے قصرِ نبوت پر ڈاکہ زنی کی ناپاک جسارت کی تو غیور مسلمانوں کی تلواریں اللہ کا انتقام بن کر اُس کی طرف لپکیں اور اُسے جہنم واصل کر دیا۔ مسلمانوں کی تاریخ اِس عقیدے کے تحفظ کے لیے قربانیاں دینے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ ختمِ نبوت اتنا اہم مسئلہ ہے کہ قرآن مجید میں سو سے زائد مقامات پر اِس کا واضح الفاظ میں ذکر موجود ہے جبکہ خود رسالتمآب ﷺ نے کم و بیش دو سو سے زائد احادیث مبارکہ میں اِس اَمر کی وضاحت مختلف پیرائے میں اِس طرح فرمائی کہ پوری اُمت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم نبوت کے مسئلہ پر یکسو اور متحد ہو گئی اور یہ اُمتِ مسلمہ کا متفقہ عقیدہ قرار پایا۔

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے لے کر آج تک ہر دور میں دنیا کے حریص اور طالع آزماؤں نے جھوٹ، فریب، مکر و دجل اور شعبدے بازیوں سے قصرِ نبوت میں نقب لگانے کی جسارت کی، مگر اُمت مسلمہ اِس جعلسازی کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ چوکس و مستعد رہی۔ مسیلمہ کذاب، طلیحہ بن خویلد، اُسود عنسی سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک اُمتِ مسلمہ نے ہر دور میں اِن نقب زنوں کا کامیاب تعاقب کیا۔ 1901ء میں جب سے مرزا قادیانی نے اپنی خود ساختہ نبوت کا اعلان کیا، تو علماء و مشائخ نے اِس فتنے کے سدباب میں ہر میدان میں قادیانیت کا محاسبہ جاری رکھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد 1953ء میں قادیانیت کے خلاف تمام مکاتبِ فکر کے علماء و مشائخ نے ایک بھرپور تحریک چلائی۔ جسے حکومتِ وقت اور مرزائیوں کے ہم نواوں نے دبانے کے لیے تشدد کا راستہ اپنایا۔ اور مجلس عمل کے قائد مولانا سیّد ابوالحسنات محمد احمد قادری، صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومہاروی، مولانا عبدالحامد بدایونی، خواجہ قمرالدین سیالوی، پیر آف سرسینہ شریف ڈھاکہ، مولانا خلیل احمد قادری، مولانا عبدالستار خان نیازی، سید نورالحسن شاہ بخاری، علامہ سیّد سلیمان ندوی، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا احمد علی لاہوری، تاج الدین انصاری، مولانا کفایت حسین، علامہ مظفر علی شمسی اور سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری وغیرہ میں سے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے جذبات مشتعل ہو گئے اور اِحتجاجی جلسوں، جلوسوں اور ہڑتالوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جب پابندیاں، تعزیریں، ظلم و تشدد اور گولیاں بھی تحفظِ ختمِ نبوت کے مجاہدوں کے متلاطم جذبات کے آگے بند باندھنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئیں تو حکومت نے 6، مارچ 1953ء کو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اور طاقت کے بل پر اِس تحریک کو کچلنے کے لیے نہتے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی تاریخ کا ایک سیاہ باب رقم کیا۔ اِس دوران ریاستی اداروں کے ہاتھوں بے شمار فرزندانِ اسلام، نبی کریم ﷺ کے ناموس و منصب کی حفاظت کے مطالبہ کے جرم میں اپنے ہی خون میں نہلا دیئے گئے۔ ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو شاہی قلعہ اور جیلوں میں ٹھونس کر پولیس کے وحشی درندوں کے آگے ڈال دیا گیا۔ اور تحریک تحفظِ ختمِ نبوت کو ریاستی ظلم و جبر کے ہتھکنڈوں سے کچلنے کی پوری کوشش کی گئی۔

اِس تحریک کے دوران ہونے والی ہنگامی آرائی اور فسادات کی تحقیقات کے لیے گورنر پنجاب اسمٰعیل ابراہیم چندریگر نے 19، جون 1953ء کو ایک آرڈیننس نافذ کیا۔ جسے بعد ازاں چند ترمیمات کے بعد "فسادات پنجاب (تحقیقات عامہ) ایکٹ 1953ء" کا نام دیا گیا اور ایک دورکنی عدالتی کمیشن قائم کیا۔ اِس عدالتی کمیشن کی پیش کردہ رپورٹ "رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء" المعروف "منیر انکوائری رپورٹ" پر مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش درانی[1] اور جماعت اسلامی کے نعیم صدیقی و سعید احمد ملک نے اپنے اپنے تجزیاتی تبصرے شائع کیے۔ زیرِ نظر مقالہ میں منیر انکوائری رپورٹ اور اُس پر ہونے والے دو اہم تبصروں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کا مقصد تاریخ کے اِس اہم واقعہ سے حال کے لیے روشنی حاصل کرنا ہے۔

منیر۔ کیانی رپورٹ۔۔۔۔ مختصر تعارف

تحریکِ ختمِ نبوت 1953ء کے دوران پنجاب میں ہونے والی ہنگامہ آرائی کو حکومتی سطح پر "فسادات پنجاب" کا نام دیا گیا۔ اِس ہنگامہ آرائی سے متعلق تحقیقات کیلئے 19، جون 1953ء کو گورنر پنجاب نے جسٹس منیر اور جسٹس محمد رستم کیانی پر مشتمل ایک تحقیقاتی عدالتی کمیشن قائم کیا۔ جس کا مقصد 6، مارچ 1953ء کو لاہور میں مارشل لاء کے نفاذ کی وجوہات، فسادات کے ذمہ داروں کا تعین اور اُن حفاظتی تدابیر و اقدامات کے کافی یا ناکافی ہونے کا جائزہ لینا تھا جو سول حکام نے فسادات کے تدارک کے لیے اختیار کیے تھے۔[2] چنانچہ کمیشن کی کاروائی یکم جولائی 1953ء سے 23، جنوری 1954ء تک جاری رہی۔

کمیشن نے کل 117، اجلاس منعقد کیے جن میں 92، اجلاس شہادتوں کی سماعت اور اندراج کیلئے مختص رہے۔ اِس دوران عدالت نے تحریری بیانات کے 3600، صفحات اور شہادتوں کے 2700، صفحات بھی نوٹ کیے۔ جبکہ 330، دستاویزات الگ سے عدالت میں

بطور حوالہ پیش کی گئیں جو کثیر التعداد کتابوں، کتابچوں، رسائل اور اخبارات کے علاوہ تھیں۔اِس کے علاوہ کافی تعداد میں خطوط بھی عدالت کو موصول ہوئے اور عدالت نے خفیہ اداروں کی رپورٹوں کو بھی اپنی تحقیقات میں پیش نظر رکھا۔اِس تحقیقاتی کمیشن کے روبرو مجلس عمل کی نمائندگی مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش درانی نے کی جبکہ مجلس احرار کی جانب سے مولوی مظہر علی اظہر پیش ہوئے اور جماعت اسلامی کی نمائندگی مسٹر سعید احمد ملک نے کی۔

تحقیقاتی عدالت نے قادیانیوں کے عقائد و نظریات سے آگاہی کے لیے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کو بھی عدالت میں طلب کیا، جبکہ مسلمانوں کے موقف کی ترجمانی ممتاز علماء کرام نے کی۔[3] حکومت پنجاب، صوبائی مسلم لیگ، مجلس احرار، مجلس عمل، جماعت اسلامی، صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو فریق قرار دیتے ہوئے ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے تحریری بیانات عدالت میں داخل کریں۔[4] جس پر حکومتِ پنجاب اور صوبائی مسلم لیگ کے سوا باقی تمام فریقوں نے اپنے مفصل بیانات عدالت میں جمع کرائے۔ حکومتِ پنجاب نے صرف ایک سطری بیان عدالت میں جمع کرایا کہ "حکومت کا اِس معاملے کے متعلق کوئی نقطہ نگاہ نہیں۔"[5]

جبکہ پنجاب مسلم لیگ کے تحریری بیان کو عدالت نے مایوس کن قرار دیا۔اور کہا کہ ڈائرکٹ ایکشن کی تحریک کے خلاف مسلم لیگ نے کوئی اُصولی اور نظریاتی مزاحمت نہیں کی۔ بلکہ متعدد اضلاع میں لیگ کے عہدہ دار خود بھی اِس عمل میں نمایاں رہے۔[6] یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ مولانا عبدالستار خان نیازی کی فریق بننے کی درخواست عدالت نے منظور نہ کی تاہم اُنہیں کئی سو صفحات پر مشتمل اپنا تحریری بیان جمع کرانے کی اجازت دی گئی۔[7]

عدالت نے خواجہ ناظم الدین (وزیر اعظم)، مسٹر آئی آئی چندریگر (گورنر پنجاب)، سردار عبدالرب نشتر (وزیر مرکزی کابینہ)، چودھری ظفر اللہ خاں (وزیر خارجہ)، سردار بہادر خاں (وزیر مواصلات)، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (وزیر اطلاعات و نشریات) اور مشتاق احمد گورمانی (وزیر داخلہ) کو بھی طلب کیا اور بند کمرے میں اِن کے بیانات نوٹ کیے۔[8] عدالت نے خفیہ اداروں اور اہم سرکاری افسران کے علاوہ میجر جنرل محمد اعظم خان آفیسر کمانڈنگ دہم ڈویژن (جنہوں نے بذاتِ خود اپنے آپ کو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مقرر کر لیا تھا) کو بھی طلب کر کے مارشل لاء کے نفاذ کی وجوہات جاننا چاہیں۔[9] جبکہ وزیر اعلیٰ پنجاب ممتاز دولتانہ نے ایک گواہ کی حیثیت سے عدالت میں اپنا بیان نوٹ کرایا۔[10]

تحقیقاتی عدالت نے یکم فروری تا 28، فروری 1953ء تک مقدمے پر بحث کے بعد 397، صفحات پر مشتمل ایک انگریزی رپورٹ

Report of the Court of Inquiry Constituted Under Punjab Act II of 1954

To Enquire into the Punjab Disturbances of 1953

یعنی "رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقاتِ فسادات پنجاب 1953ء" کے نام سے حکومتِ پنجاب کو پیش کی۔ اِس رپورٹ کا اردو ترجمہ 425، صفحات پر مشتمل ہے جو "منیر انکوائری رپورٹ" کے نام سے معروف ہے۔ چونکہ حکومتِ پنجاب کا اِس معاملے میں اپنا کوئی نقطہ نگاہ نہ تھا اِس لیے یہ تحقیقات کسی خاص اور معین فرد یا جماعت کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے عمومی نوعیت کی تھیں۔[11] اِس تحقیقاتی رپورٹ میں بہت سے تاریخی واقعات کو نہ صرف مسخ کیا گیا بلکہ حقائق پر پردہ ڈالنے اور علماء کے کردار کو مطعون کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔

رپورٹ کا اجمالی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کمیشن نے اپنے اختیارات اور سپرد کردہ تینوں معاملات تک ہی اپنی تحقیقات کو محدود نہیں رکھا بلکہ بہت سے دوسرے معاملات مثلاً "آل مسلم پارٹیز کنونشن کے مطالبات، اسلامی ریاست، جمہوریت، نمائندہ حکومت اور نفاذ قانون واستحفاذ آئین" وغیرہ پر بحث کے ساتھ ساتھ اُن علمی، دینی اور نظریاتی حیثیت کے مسائل و نکات جیسے "مسلم و مومن کی تعریف، مسئلہ قتل مرتد، مسئلہ جہاد، مسئلہ مالِ غنیمت و خمس، لہو و لعب اور اسلام، آرٹ اور اسلام، بین الاقوامی قوانین و مجالیس اور اسلام اور حدیث و سنت" وغیرہ پر بھی تبصرہ آرائی اور خامہ فرسائی کی جو اُس کے متعین کردہ دائرہ کار میں شامل نہیں تھے۔

رپورٹ کے ابتدائی سو صفحات سے یہ بات واضح اور عیاں ہے کہ فوج، بیوروکریسی، انتظامیہ اور حکومت کے اہم عہدوں پر فائز قادیانیوں کی وجہ سے اُن کے ہر جائز و ناجائز فعل کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے سخت قدم اٹھایا گیا اور قادیانیوں کے خلاف زبان کھولنے اور تقاریر کرنے کے الزام میں متعدد علماء کرام پر مقدمات بھی قائم کیے گئے۔ حکومت نے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں قادیانی کی برطرفی کا مطالبہ دبانے اور قادیانیوں کے خلاف احتجاج روکنے کی غرض سے ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ مساجد کے اندر دفعہ 144، نافذ کی اور قادیانیوں کے خلاف جلسے جلوس کے انعقاد پر بھی سخت پابندیاں عائد کیں۔ جبکہ وزیر خارجہ کے خلاف قادیانی جلسوں میں شرکت اور مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کرنے پر نا صرف تادیبی کاروائی سے گریز کیا بلکہ قادیانی جلسوں کو سرکاری پروٹوکول اور حکومتی سرپرستی بھی مہیا کی گئی۔ جس پر اربابِ اقتدار کی خاموشی اُن کی رضامندانہ کیفیت کی عکاس تھی۔

مختلف فریقین (Stakeholders) کے بارے میں عدالتی موقف:

تحقیقاتی عدالت نے یہ تسلیم کیا کہ حکومت پنجاب فسادات کے سد باب اور امن و آئین کی حفاظت کے فرض کی کما حقہ بجاآوری سے قاصر رہی اور میاں ممتاز دولتانہ کی حکومت نے چشم پوشی و رعایت سے ہی کام نہیں لیا۔ بلکہ اُن کا اخبار "آفاق" اِس تنازع کو بھڑکانے میں سر گرمی سے ملوث رہا۔[12] عدالت نے خواجہ ناظم الدین اور مرکزی حکومت کو بھی اِس وجہ سے مورد الزام ٹھہرایا اور لکھا کہ مرکزی حکومت کو اپنے موقف و مقام کے متعلق پورا تیقن نہ تھا اور وہ ایسے اقدام کو اپنے آپ سے منسوب ہونا پسند نہ کرتی تھی جو بعد میں غیر مقبول اور ناپسندیدہ قرار پائے۔ اور یہ کہ مرکزی حکومت کئی مہینوں تک عدم فیصلہ، تامل اور تذبذب کی جس پالیسی پر کار بند رہی اُس کا اثر صوبے کی صورت حال اور حالات پر پڑا۔

عدالت نے یہ بھی لکھا کہ مرکزی حکومت نے بیرون ممالک چہ میگوئیوں اور ہندوستان کو پاکستان کے بدنام کرنے کے خوف سے قادیانی وزیر خارجہ کی برطرفی کے مطالبے کو مسترد کر کے عوامی ہیجان کو بڑھاوادیا۔[13] اور عوام کے سادہ سے مطالبات منظور کرنے کے بجائے ملک کو ایسے خطرات میں ڈالنا گوارا کر لیا جو مارشل لاء کے نفاذ پر منتج ہوئے۔ اگر خدانخواستہ مارشل لاء بھی امن و آئین کے قیام و تحفظ میں ناکام ہو جاتا تو نہ معلوم پاکستان کا حشر کیا ہوتا!!۔

عدالت نے مجلس عمل میں شامل تمام مذہبی جماعتوں، انجمنوں اور تنظیموں پر جو راست اقدام کی قرارداد کی منظوری میں شریک تھیں، فسادات کی ذمہ داری عائد کی[14] لیکن ساتھ ہی اِس اَمر کو بھی تسلیم کیا کہ جس مقصد کے لیے تحریک اُٹھائی گئی تھی، وہ خالصتاً دینی تھا۔ مطالبات بظاہر بہت معقول صورت میں پیش کیے گئے تھے۔[15] عدالت نے لکھا کہ بلاشبہ خواجہ صاحب اِن مطالبات کو تسلیم کر سکتے تھے یا شخصی طور پر اِن کی حمایت کا وعدہ کر سکتے تھے۔ اِس حالت میں کوئی گڑ بڑ پیش نہ آتی۔[16] یعنی اگر علماء کرام کے اِن مطالبات کو مان لیا جاتا یا ماننے کا وعدہ کر لیا جاتا تو ہنگامہ آرائی اور فساد برپا نہ ہوتا۔

جبکہ مجلس عمل میں شامل جماعت اسلامی کے بارے میں عدالت کا موقف تھا کہ:

> "جماعت مسلم لیگ کے تصورِ پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی۔ اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو 'ناپاکستان' کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت موجودہ نظامِ حکومت اور اِس کو چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔ ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں اُن میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبہ پاکستان

کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو.... تمام کی تمام اِس شکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے.... جماعت کا عقیدہ اور مقصد یہ ہے کہ نظامِ حکومت کو توڑ کر جماعت اسلامی کے تصور کے مطابق حکومت قائم کی جائے۔"(17)

عدالت نے دوران انکوائری جماعت اسلامی کے اختیار کردہ موقف اور خود کو راست اقدام اور فسادات سے بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کا بھی سختی سے رد کیا اور لکھا کہ فسادات کی ذمہ داری سے جماعت اسلامی کا دامن پاک نہیں ہے۔ چنانچہ عدالت اپنی انکوائری رپورٹ کے صفحہ 274، پر لکھتی ہے کہ:

"وہ (جماعت اسلامی) ڈائریکٹ یکشن کی قرار داد میں ایک فریق کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور مجلس عمل کے اجلاس مورخہ 26، فروری میں جماعت کا نمائندہ اِس قرار داد میں شریک تھا کہ رضاکاروں کے دستے بھیجے جائیں اور اقدامات کے اجراء کے لیے ایک ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے۔ لہٰذا موجودہ تحقیقات میں اِس نکتے کی کوئی حیثیت نہیں۔" عدالت نے جماعت سے دو افراد کے اخراج کے حوالے سے مزید لکھا کہ "میانوالی کے غلام صدیق اور سرگودھا کے سیّد احمد شاہ جماعت سے اُس وقت خارج کیے گئے جب مارشل لاء کے نفاذ پر خاصی مدت گزر چکی تھی۔ لہٰذا اِس اخراج سے جماعت کے موقف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا.... (عدالت کا کہنا تھا کہ) گوجرانوالہ اور راولپنڈی کے پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے بھی اپنی رپورٹوں میں ارکانِ جماعت اسلامی کی اُن سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے جو اُنھوں نے دوران فسادات اختیار کی تھیں۔"

ہنگامہ آرائی اور فسادات میں جماعت اسلامی کے ملوث ہونے کے حوالے سے عدالت کا یہ بھی کہنا تھا کہ:

"جماعت اسلامی کی جاری کردہ ہدایات میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے ظاہر ہو سکے کہ جماعت ڈائرکٹ ایکشن کے پروگرام کی حامی یا موئید نہیں ہے.... جماعت اسلامی ڈائرکٹ ایکشن کے فیصلے میں سنجیدگی سے شامل تھی.... اِس اَمر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ جماعت نے ڈائرکٹ ایکشن سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کیا ہو۔ اُس کی نامنظوری ظاہر کی ہو یا اُس کی مذمت کی ہو۔ محض جلوسوں کی ترتیب کے انداز کو یا بناوٹی جنازے نکالنے کو یا جلسوں میں تقریروں پر نعرے لگانے کو ناپسند کرنے کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ ڈائرکٹ ایکشن

کی مذمت کی گئی تھی یا اُن تدابیر کو ناواجب قرار دیا گیا تھا جو 26، فروری کے اجلاس میں اِس اقدام کی تعمیل کیلئے ہوئی تھیں۔"(18)

جماعت اسلامی کے سربراہ مولانا ابو اعلیٰ مودودی کے بارے میں عدالت کی رائے تھی کہ:

"مولانا نے سرکشانہ رویہ اختیار کیا۔(اُنہوں نے) تمام واقعات کا الزام حکومت پر عائد کیا اور فسادی عناصر کو 'تشدد' کا شکار کہہ کر اُن سے عام ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی.... وہ پورے نظامِ حکومت کے انہدام کی توقع کر رہے تھے اور حکومت کی متوقع پریشانی اور حوالگی پر بغلیں بجا رہے تھے۔اور اگر اِس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لی جائے کہ جماعت اسلامی کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے۔کیونکہ اُس کے خیال کے مطابق اللہ کی حاکمیت کے ماتحت مذہبی ادارت کے قیام کا مقصد حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ یہی ہے تو اِس اَمر میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ ہو رہا تھا اُسے جماعت اسلامی کی پوری تائید وحمایت حاصل تھی۔ لہٰذا ڈائرکٹ ایکشن کی منظوری سے اور اُس کے پروگرام سے.... جو طبعی نتائج پیدا ہوئے اُن کی ذمہ داری جماعت پر بھی عائد ہوئی ہے۔"(19)

اِس کے ساتھ ہی تحقیقاتی عدالت نے مجلس احرار اور اُس کے لیڈروں کو فسادات کی کیفیت پیدا کرنے کا اوّلین ذمہ دار بھی قرار دیا۔اور لکھا کہ احرار نے اِس مذہبی معاملے کو عوام میں اپنی ہر دلعزیزی کا ذریعہ بنایا۔عدالت نے احرار کو اُس قوم پرست مسلمانوں کی ٹولی سے بھی تشبیہ دی، جس نے کانگریس سے علیحدگی اور مجلس احرار اسلام کی شکل اختیار کرنے کے باوجود تقسیم کے بعد بھی کانگریس سے ساز باز جاری رکھی ہوئی ہے۔عدالت نے احرار کے قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ اور پاکستان دشمن ماضی کو بھی دہرایا اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ بعض احراری لیڈروں نے اپنی تقریروں میں پاکستان کو "پلیدستان" اور قائدِ اعظم کو "کافرِ اعظم" تک کہا ہے۔(20)

تحقیقاتی عدالت نے احراری نفسیات اور طریقہ واردات کو بہت واضح اور کھول کر بیان کیا اور لکھا کہ:

"نئی مملکت میں اُن کے لیے اپنی پرانی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں (تھی) لیکن احراری اِس مٹی کے بنے ہوئے نہ تھے۔وہ پرانے باراں دیدہ شورش پسند تھے۔جن کو اپنی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں اضافہ کرنے کے لیے بڑی بڑی مہمیں چلانے اور ہنگامے برپا کرنے کا تجربہ حاصل تھا۔چنانچہ اُنہوں نے ایسے

طریقوں پر غور وخوض شروع کر دیا جن سے کام لے کر وہ نئے ماحول میں اپنی سر گرمیوں کیلئے مخرج پیدا کر سکیں۔ کسی موجودہ شورش سے فائدہ اٹھانا کسی نئی شورش کی تخلیق کے مقابلے میں دوسرے درجے کی چال ہے....احراریوں نے اپنی ہستی کا ثبوت دینے اور جماعت کی حیثیت سے اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے اسی چال سے کام لیا۔"[21]

منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق احراری سیاسی طور پر انتہائی فہیم اور چالاک تھے۔ اور مجلس عمل میں اپنے حصہ سے زیادہ نمائندگی حاصل ہونے کی وجہ سے اُس کی کاروائیوں پر بھی اُنہی کا غلبہ تھا۔ چنانچہ 15، جولائی 1952ء کو روزنامہ "آفاق" میں شائع ہونے والے ایک مضمون سے عدالت کے اِس موقف کی مکمل تائید ہوئی ہے جس میں مضمون نگار لکھتا ہے کہ :

"احراری کنونشن کی پوری کاروائی پر حاوی رہے اور کنونشن میں جو پندرہ قرار دادیں منظور ہوئیں اُن میں سے بعض کا مقصد احرار کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے سوکچھ نہ تھا۔ "اسی اشاعت میں شامل ایک اور مضمون میں بعض منظور شدہ قرار داوں پر سخت تنقید کے بعد اس خدشہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ :"اِس تحریک کو بعض رہنماؤں کی حماقت اور خود غرضی سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض ناکام سیاست دان اور پاکستان کے پرانے مخالف صرف اپنے مقاصد کی تکمیل میں کوشاں ہیں اور علمائے دین کی مقدس قباؤں کے سائے میں اپنے کھوئے ہوئے سیاسی اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"[22]

اسی مضمون میں تحریک ختم نبوت 1953ء کے قائد مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کے اُس بیان کا بھی حوالہ دیا گیا جس میں آپ نے اِس عزم کا اظہار کیا تھا کہ :

" میں کسی جماعت کو اِس اَمر کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے مذہب کو استعمال کرے۔ اور جو لوگ خلاف ورزی قانون کی حمایت کریں گے اُن کو میرا تعاون حاصل نہ ہوگا۔ "اپنے اِس بیان میں مولانا ابوالحسنات نے بد نظمی، لاقانونیت اور اشتعال انگیز تقریروں کی بھی سخت مخالفت کی تھی اور تحریکی وابستگان پر واضح کر دیا کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ پُر امن اور آئین پسندانہ طریق سے ہی پیش کر کے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔"[23]

واضح رہے کہ مولانا ابوالحسنات قادری کا یہ بیان 10، جولائی 1952ء کو روزنامہ آفاق میں شائع ہوا تھا۔ مگر اخبارات کی تنبیہ اور مولانا ابوالحسنات قادری کے بروقت انتباہ کے باوجود آل مسلم پارٹیز کنونشن کی کاروائی میں احراریوں نے اپنی عددی برتری اور غلبہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اُنہوں نے عوامی جذبات کو مشتعل و برانگیختہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور قادیانیوں کے خلاف پُرامن مذہبی تحریک کو پُرتشدد ہنگامہ آرائی اور سول نافرمانی سے بدل دیا۔ چنانچہ جسٹس منیر نے لکھا:

> "سول بغاوت کا سارا سروسامان احرار ہی کا کیا دھرا تھا.... اُن کا طرزِ عمل بطور خاص مکروہ اور قابل نفرین تھا۔ اِس لیے کہ اُنہوں نے ایک دنیاوی مقصد کے لیے ایک مذہبی مسئلے کو استعمال کرکے اِس مسئلے کی توہین کی اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لیے عوام کے مذہبی جذبات وحسیّات سے فائدہ اٹھایا۔"[(24)]

در حقیقت احراریوں کی تمام تر سرگرمیوں کا مقصد ہر دل عزیزی اور عوام میں مقبول عام ہونے کی خواہش تھی۔ اُنہوں نے اِس مذہبی معاملے کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ اور اِس کی آڑ میں خوب چندہ جمع کیا۔ عدالت کے بقول وہ جس قدر زیادہ زہر افشانی کرتے چندہ بھی انہیں اتنا ہی زیادہ ملتا۔ جس سے اُن کی مالی حیثیت مستحکم ہوگئی۔ اُنہیں بعض دولت مند مربی بھی حاصل تھے۔ جن میں زیادہ فیاضی سے امداد کرنے والوں میں نوابزادہ نصراللہ خان (ایم ایل اے، ضلع مظفر گڑھ) حاجی دین محمد (بادامی باغ لاہور مالک کارخانہ) میاں قمرالدین (رئیس اچھرہ لاہور) رانا غلام صابر (ایم ایل اے، اوکاڑہ) قابل ذکر ہیں۔[(25)]

چنانچہ مولانا غلام معین الدین نعیمی کی زیر ادارت شائع ہونے والے ہفت روزہ "سواد اعظم" لاہور نے احرار کی مالی بددیانتی اور چندہ خوری کو بے نقاب کرتے ہوئے اُسے خائن اور غادر (دھوکہ باز) جماعت قرار دیا۔ اور اپنے تاریخی اداریہ میں یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ تحریکِ ختمِ نبوت کے چندے کا نہ صرف حساب دے بلکہ جمع شدہ تمام رقم شہداء ختمِ نبوت کے وارثوں میں تقسیم کرکے عملی ہمدردی کا بھی ثبوت دے۔ اِس حوالے سے سواد اعظم اپنے اداریہ میں لکھتا ہے کہ:

> "قطع نظر اُن کی سیاسی چالاکیوں اور ملکی شعبدہ بازیوں کے احرار ایک خائن اور غادر پارٹی ہے۔ بڑے بڑے نعروں اور بلند بانگ ڈینگوں کے ساتھ متعدد تحریکیں اُٹھائیں اور سربراہی کی اور ملک وملت کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر خوب خوب چندہ جمع کیا اور دل کھول کر مل بانٹ کر کھایا پیا اور جب قوم نے کسی وقت میں مطالبہ کیا تو اُن کے بڑے بڑے جغادریوں نے علی الاعلان کہا کہ 'ہاں ہم نے کھایا اور خوب کھایا، مگر قید وبند کی

لعنت بھی تو جھیلی ہے، غرض کہ ہر تحریک میں جس طرح چندہ جمع کرنے کا ریکارڈ قائم کیا اُسی طرح اُس چندہ کو ہضم کر کے ڈکار تک نہ لینے کا بھی ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ 1953ء میں تحریک تحفظِ ختمِ نبوت جیسے مقدس نام کی تحریک اُٹھائی، یہ نعرہ ہی ایسا تھا کہ مسلمان بہ حیثیت مسلم اِس نعرہ کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ قوم نے اِس تحریک کی ہم نوائی کی، دل کھول کر رقمیں دیں، ہزاروں نہیں لاکھوں روپیہ جمع ہوا۔ ٹکٹوں کے ذریعہ ہی نہیں، اجلاسوں میں عام چندے بھی ہوئے.... تقریباً ایک لاکھ صرف احرار کے لیڈر جس کو وہ 'امیر شریعت' سے خطاب کرتے ہیں یعنی عطاءاللہ شاہ بخاری کے پاس جمع تھا۔ جب بخاری جیل میں ٹھونس دیے گئے تو اُن کے فرزند اُس لاکھ روپے کو لے کر گھر سے اچانک غائب ہو گئے اور مجلس احرار کے مضبوط ترین قلعہ 'عوامی لیگ' کے معتمد رہنما رانا نصر اللہ خاں صاحب کے یہاں پناہ گزیں ہو گئے اور جب تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مارشل لاء وغیرہ جیسے قابل مذمت و نفرت حربے استعمال کیے گئے تو پولیس اور فوج ماخوذ و مشتبہ افراد کی تلاش میں پھرنے لگی، اُس وقت اِس مطلوبہ رقم کی بازیابی کے لیے بے حد کوشش کی گئی، جگہ جگہ چھاپے مارے گئے مگر مطلوبہ رقم کی در آمد میں پولیس ناکام رہی۔ جب یہ خبر جیل میں بخاری صاحب کو پہنچی تو اپنے خون جگر کی گمشدگی میں روتے رہے اور کئی مرتبہ معافی مانگ کر جیل سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ بالآخر مخصوص ذرائع سے بخاری صاحب کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ آپ کے فرزند مع ایک لاکھ روپے کے ہر طرح بخیریت ہیں، جب کہیں جا کر بخاری صاحب کو اطمینان نصیب ہوا۔ جب پنجاب میں امن قائم ہوا اور اپنے وقت پر حکومت نے اپنے مخصوص مفاد کی خاطر یعنی بعض ہمدردوں کو رہا کیا تو بعض حضرات عام قانونی وضاحت کی بِناء پر آل پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کے صدر اور بقول بخاری صاحب 'صبر و تحمل کے پہاڑ' یعنی مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری بھی جیل سے باہر تشریف لائے۔ صدر مجلس عمل مولانا موصوف نے اپنی رہائی کے بعد اپنی ضعیفی اور پیرانہ سالی اور بیماری کی بِناء پر عام ہمدردی ہونے کے باوجود ہر قربانی دینے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے وقتی سکون چاہا اور اراکینِ مجلس عمل سے خواہش ظاہر کی کہ مجلس کا تمام روپیہ جو مختلف پارٹیوں یا لیبلوں کے ذریعہ جمع کیا گیا ہے، یک جا اکٹھا کر کے تمام روپیہ شہداء ختم نبوت کے وارثوں میں تقسیم

کر دیا جائے۔ تاکہ آج تک جو کچھ ہم زبانی طور پر اُن سے ہمدردی کا اظہار کرتے رہے ہیں، اب اُس کو عملی طور پر بھی کر کے دکھایا جائے۔ مگر صدر مجلس عمل کی اِس خواہش پر تقریباً تمام ان لوگوں نے جو کہ پرانے چندہ خور اور چندہ اکٹھا کرنے کے ماہر تھے، چُپ سادھ لی اور پھر اِس طرف رُخ تک نہ کیا۔ اور صدر صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے سے بھی اپنے آپ کو معذور سمجھا۔ اِس طرح وہ تمام روپیہ شیرِ مادر کی طرح ہضم کر لیا۔ اِن میں سے ایک بڑی رقم جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے تقریباً ایک لاکھ روپے کی ہے.... اِس رقم کا جب اُن سے مطالبہ کیا گیا تو جواب دیا کہ یہ رقم تو 'مجلس ختم نبوت' (جو کہ احرار کی ذیلی پارٹی تھی) کے نام سے جمع کی گئی تھی۔ آل پارٹیز کنونشن یا مجلس عمل کے نام سے یہ رقم نہیں ہے۔ اِس طرح لفظی آڑ اور گورکھ دھندے کے ذریعہ صدر مجلس عمل کو جواب دے دیا۔ اُن کے اِس جواب پر صدر مجلس عمل نے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر اُن سب سے کہا کہ میں اِس رقم کو ہاتھ لگانا حرام جانتا ہوں، آپ تمام رقم کو خود ہی اُن لوگوں پر جنہوں نے خدا و رسول کے نام پر اپنی جانیں قربان کی ہیں، جن عورتوں کے سہاگ لٹے ہیں، جن کے بچے یتیم ہوئے ہیں، جو بے وارث رہ گئے ہیں، تقسیم کر کے اُن کی جہاں تک زیادہ سے زیادہ مدد ہو سکے مدد کرو لیکن:

زمیں جنبد سماء جنبد و لے احرار از جا نمی جنبد

اب جبکہ مجلس احرار قانونی حیثیت سے آزاد ہو چکی ہے، ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ختم نبوت کی تحریک کے تمام روپے کا حساب دے اور شہداء ختم نبوت کے ورثا کے ساتھ عملی ہمدردی کا ثبوت دے۔"[26]

تحقیقاتی عدالت نے قادیانیوں کی جارحانہ تبلیغ اور توسیع پسندانہ عزائم کو بھی دل آزار اور اشتعال انگیز قرار دیا اور اُنہیں فسادات کا بالواسطہ ذمہ دار ٹھہرایا۔ عدالت نے لکھا کہ اُن کے عقائد و معتقدات مسلمانوں کے معتقدات سے متغائر ہیں۔ اور یہ کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مذہبی حیثیت سے اہم بنیادی اختلافات روزِ اوّل ہی سے موجود تھے اور ہیں۔ وہ جداگانہ جماعتی تنظیم رکھتے ہیں۔ اُن کے اپنے اُمور خارجہ، اُمور داخلہ اور اُمور عامہ کے محکمے اور نشر و تبلیغ کے شعبے ہیں۔ وہ مسلمانوں سے رشتے ناطے کا تعلق نہیں رکھتے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ چونکہ وہ مرزا کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اِس لیے (عدالت نے اُنہیں مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ) وہ "مسلمان" کے بجائے "احمدی، قادیانی یا مرزائی" کی اصطلاح استعمال کریں۔[27]

تحقیقاتی عدالت نے یہ بھی لکھا کہ قادیانی تقسیم سے قبل برطانیہ کا جانشین بننے کا خواب دیکھ رہے تھے اور وہ ملکی تقسیم کے خلاف تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اُنہوں نے بلوچستان کو مرزائی صوبہ بنانے کی کوشش کی۔ اور قادیانی افسران وملازمین نے ارتداد پھیلانے کے معرکے میں پوری تندہی اور دل جمعی کے ساتھ حصہ لیا۔ وہ لوگوں کا مذہب وعقیدہ تبدیل کراتے رہے اور مرتد بنانے کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ بقول عدالت:

"قادیانی افسروں نے لوگوں کو قادیانی بنانے کی مہم میں از سرتاپا مصروف ہوجانا اپنا مذہبی فریضہ خیال کیا۔ اُن کے اِس روّیے کی وجہ سے قادیانیوں کو اِس اَمر کا حوصلہ ہوا کہ جہاں کہیں اُنہیں افسروں کی حمایت حاصل تھی یا حاصل ہونے کی توقع تھی وہاں اپنے مقصد کے حصول میں زور وشور سے مصروف ہو گئے۔"[28]

افسران مذکورہ کی اِس روش نے قادیانیوں کے حوصلے بڑھائے۔ اور اُنہوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے زیادہ تندہی سے کام کیا۔ عدالت نے قادیانیوں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے اِس اَمر پر بھی مہر تصدیق ثبت کی کہ "اُن کے خلاف عام شورش کا موقع خود انہی کے طرزِ عمل نے بہم پہنچایا۔"[29] عدالت نے یہ بھی لکھا کہ قادیانیوں کا "پروپیگنڈا صرف پاکستان تک محدود نہیں اور 'الفضل' کی بعض شائع کردہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں میں جو قادیانی مقرر ہیں اُن کی تبلیغ پر بھی بعض اوقات مار پیٹ اور بدنظمی رونما ہوگئی ہے۔"[30]

تنقیدی محاکمات "تبصرہ" اور "محاسبہ"۔۔۔ایک تقابلی و تحقیقی جائزہ

جناب مجاہد الحسینی اپنے مضمون ''تحریکاتِ ختمِ نبوت کی خود ساختہ تاریخ کا تجزیہ" جو کہ 24، جنوری 2014ء کو روزنامہ پاکستان میں شائع ہوا، لکھتے ہیں کہ:

"تحریکِ ختمِ نبوت کی اِس مقدس جدوجہد کو بدنام کرنے کے لیے اُس دور کے حکمرانوں نے قادیانیوں کے ساتھ مل کر پنجاب میں فساد برپا کیا تھا۔ جسے فساداتِ پنجاب کا نام دے کر جسٹس منیر اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی گئی تھی، جس کی رپورٹ بھی حکومت کی طرف سے شائع ہوگئی تھی۔ اِس رپورٹ میں اُٹھائے گئے اعتراضات کا تو جماعت اسلامی، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، انجمن احمدیہ ربوہ نے تحریری صورت میں جواب دے دیا تھا۔ لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جس جماعت (مجلس تحریک ختم

نبوت)۔۔۔۔کی جانب سے منیر انکوائری کمیٹی کے، امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی کے اور مختلف اخبارات میں کالم نگاروں اور دیگر اہل قلم کے اعتراضات اور معاشرے میں پھیلائے گئے شکوک و شبہات کا تحریری صورت میں "تاایں دم" قطعاً کوئی جواب نہیں دیا جاسکا ہے (حالانکہ) مختلف اداروں کی طرف سے گزشتہ صدی کے دوران جو کتابیں اور رسالے چھپ چکے تھے۔ مجلس ختم نبوت کی طرف سے اُنہیں پچاس جلدوں میں از سر نو شائع کیا گیا ہے۔"

کچھ اسی طرح کا طرز عمل "مجلس احرار" کا بھی رہا۔ جس نے منیر انکوائری رپورٹ میں عائد سنگین ترین الزامات کے تحریری جوابات اور وضاحت دینے کی آج تک ضرورت محسوس نہیں کی۔ جبکہ اِس کے برخلاف اگست 1954ء میں مجلس عمل کے وکیل اور ممتاز صحافی و مورخ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش درانی نے "محاسبہ یعنی عدالت تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء کی رپورٹ پر ایک جامع اور بلیغ تبصرہ" کے عنوان سے جامع اور مدلل اظہار خیال کیا۔ جو سب سے پہلے روزنامہ "نوائے پاکستان" کے خاص رپورٹ نمبر مورخہ 29، اگست 1954ء میں شائع ہوا۔ اسی طرح جنوری 1955ء میں جماعت اسلامی نے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر" تبصرہ" کے عنوان سے اپنے موقف کا اظہار کیا۔ 208، صفحات پر مشتمل اِس کتابچہ کو نعیم صدیقی اور سعید احمد ملک نے ترتیب دیا۔ اور جماعت اسلامی نے "مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان اچھرہ لاہور" سے شائع کیا۔ خیال رہے کہ یہ "تبصرہ" اپنے معنوی اعتبار سے نقد و نظر، تنقید اور اُن سنگین الزامات کی توضیح و تشریح کا مجموعہ تھا جو تحقیقاتی عدالت نے جماعت اسلامی اور اُس کے سربراہ پر عائد کیے تھے۔

جماعت اسلامی کا یہ "تبصرہ" تین حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اوّل اُن تین معاملات سے متعلق ہے جن کی تحقیق عدالت کے سپرد کی گئی تھی۔ دوسرے حصے میں اُن مباحث پر گفتگو کی گئی جو اگرچہ سپرد کردہ معاملات کی حدود میں نہیں آتے تھے تاہم رپورٹ میں قلم بند کیے گئے۔ جبکہ تیسرے حصے میں یہ جائزہ لیا گیا کہ رپورٹ نے اصل مسئلے جس کی وجہ سے پنجاب میں اتنے بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے کا حل بھی پیش کیا یا مزید الجھا کر رکھ دیا۔ گو جماعت نے عدالتی فیصلے پر اپنی رائے دینے سے یہ کہہ کر گریز کیا کہ:

"رپورٹ کے اِس پہلو پر کوئی بحث نہیں کی جائے گی کہ سپرد کردہ معاملات کے متعلق عدالت نے جو فیصلے دیئے ہیں اُن میں کوئی خامی ہے یا نہیں اور ہے تو وہ کیا ہے۔"(31)

لیکن اِس کے باوجود اُس نے اِن مباحث کے ساتھ وہ معاملات جو عدالت کی حدود میں نہیں آتے تھے لیکن رپورٹ میں تحریر کیے گئے اور یہ کہ "پنجاب میں برپا ہونے والے ہنگاموں کے اصل مسئلہ کو رپورٹ نے کچھ سلجھایا یا گول مول چھوڑ دیا"[32] پر اپنے "تبصرہ" کے دوسرے اور تیسرے حصہ میں بہت زیادہ زور دیا۔ جماعت اسلامی نے

> "تبصرہ" میں سب سے پہلے فسادات کے لیے اختیار کردہ طریقہ کار پر سخت تنقید اور اعتراض اٹھایا اور اسے 1919ء کے ہنگاموں کی تحقیقات کے لیے اختیار کیے گئے طریقہ کار کے مقابلے میں ناقابل اطمینان اور غیر منصفانہ قرار دیا۔ جماعت کے نزدیک "وہ قانون جس کے تحت یہ تحقیقات کرائی گئیں تھیں سراسر غلط اور ناروا تھا۔"[33]

اُس کا موقف تھا کہ 1919ء میں (رولٹ ایکٹ کی منظوری اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو و ڈاکٹر ستیہ پال کی گرفتاری سے) پنجاب ہونے والے زبردست ہنگاموں کو دبانے کے لیے صوبے کے کئی اضلاع میں مارشل لاء لگایا گیا تھا مگر اُس وقت اِن ہنگاموں کی تحقیقات کے لیے بیرونی حکومت نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا وہ کم از کم موجودہ قومی حکومت کے طریقہ کار سے قدرے بہتر، زیادہ منصفانہ اور قابل اطمینان تھا۔ جماعت کا یہ بھی کہنا تھا کہ 1919ء میں تحقیقات کے لیے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی وہ صرف ملازمینِ ریاست ہی پر مشتمل نہ تھی بلکہ اُس میں تین غیر سرکاری ہندوستانی ممبر بھی شامل تھے جس کا فائدہ یہ ہوا کہ واقعات کے تمام پہلو سامنے آ گئے۔ اور ایک ایسی رپورٹ شائع ہوئی جو صرف ایک ہی نقطہ نظر کی حامل نہ تھی۔ اِس کے برعکس 1935ء کے ہنگاموں کی تحقیقات کے لیے کمیٹی کے بجائے غیر سرکاری نمائندگی سے محروم ایک ایسا عدالتی کمیشن قائم کیا گیا جسے پورے عدالتی حقوق و اختیار کے ساتھ توہین عدالت کے قانون کا تحفظ بھی حاصل تھا۔ اور اِسے عام قانون شہادت کے تقاضوں سے بالاتر رکھا گیا تھا۔[34]

جماعت اسلامی کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ عدالت نے نتائج اخذ کرنے اور فیصلہ دینے میں "اُن سرکاری اطلاعات پر انحصار کیا ہے جو کہ زیادہ تر سرکاری افسران اور سی آئی ڈی نے مختلف جماعتوں اور اشخاص سے متعلق دی تھیں۔ اور "جو قطعی طور پر خلاف واقعہ ہیں۔"[35] جماعت نے تحقیقاتی عدالت کے ججز کو بھی اِس اَمر کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ اُنہوں نے اِن رپورٹوں کی صداقت جاننے کی کوشش نہیں۔ چنانچہ اِس حوالے سے اُس نے اپنے تبصرہ میں لکھا کہ:

"بد قسمتی سے رپورٹ کے فاضل مصنفین کی توجہ اِن سرکاری اطلاعات کی جانچ پرکھ کی طرف منعطف نہ ہو سکی۔"(36)

جماعت اسلامی نے اپنے "تبصرہ" میں تحقیقاتی عدالت کو ایک ایسے کمیشن کا درجہ بھی دیا جس نے ایک متعین معاملے میں اپنا کام کرنے کے بعد اپنا وجود کھو دیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ :

"حقیقت میں یہ عدالت ایک کمیشن کی سی حیثیت رکھتی تھی جس نے ایک متعین معاملے میں اپنا کام کیا اور خود بخود ختم ہو گیا۔ اب ایک مستقل عدالت کی طرح اِس کا وجود باقی نہیں۔"(37)

جماعت نے تحقیقاتی عدالت کے مرتب کردہ نتائج کو عدالتی فیصلہ تسلیم کرنے سے بھی انکار کیا۔ اور اُس نے اِسے محض ایک رپورٹ کا درجہ دیتے ہوئے لکھا کہ "اِس رپورٹ کو بھی ایک علمی کام سمجھا جانا چاہیے۔"(38) لیکن تعجب خیز اَمر یہ ہے کہ منیر انکوائری رپورٹ کو ایک علمی کام کا درجہ دینے کے باوجود جماعت نے اُس پر شدید تنقید اور چینی نکتہ چینی کی۔ اِسے بد دیانتی، طنز، تضاد اور من گھڑت واقعات کا مجموعہ جیسے الفاظوں سے نوازا۔ اور اپنے "تبصرہ" میں لکھا کہ یہ "سراسر ایک من گھڑت افسانہ ہے۔ جس میں صداقت کا شائبہ تک نہیں۔"(39) "رپورٹ کے اندازِ بیان میں طنز کا اسلوب دل کھول کر استعمال کیا گیا۔"(40) "طنزیات سے رپورٹ کا دامن مالا مال ہے۔"(41) "لوگوں کی نیتوں کے خلاف اظہار رائے کیا گیا۔"(42) "کچھ مواقع ایسے بھی آتے ہیں جہاں پڑھنے والوں کو بعض اصحاب کی عزت پر بھی زد پڑتی محسوس ہوتی ہے۔"(43) اور یہ کہ "رپورٹ کے اندر متعدد ایسے نظریات و خیالات بھی درج ملتے ہیں جن کو ایک متوسط ذہن کا آدمی بھی باہم دگر متضاد محسوس کر سکتا ہے اور اِن کے بے جوڑ پن کو کسی تاویل سے رفع کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔"(44)

اِس مقام پر جماعت اسلامی کا حیرت انگیز طرز عمل دیکھئے کہ انکوائری رپورٹ کے مندرجات کو باہم متضاد اور کسی تاویل سے رفع نہ ہونے والے واقعات کا مجموعہ قرار دے کر مسترد کرنے کے باوجود اُس نے اپنے مسلک و عقیدے، قیامِ پاکستان کی مخالفت پاکستان کو ناپاکستان کہنے، موجودہ نظام مملکت کی بساط الٹ کر اپنے تصورِ دینی کے مطابق اسلامی حکومت قائم کرنے، ہنگاموں اور فسادات میں ملوث ہونے اور حکومتی پریشانی پر خوشی سے بغلیں بجانے وغیرہ جیسے عائد کردہ سنگین الزامات کے ٹھوس اور مدلل جوابات دینے کے بجائے خود اسی منطقی استدلال اور تاویلی حربوں کا سہارا لیا۔ اور اُس نے منیر انکوائری رپورٹ میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر

عائدان سنگین الزامات کہ "جماعت مسلم لیگ کے تصورِ پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی۔"(45) اور یہ کہ "جماعت اسلامی کے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تک یہ رائے رکھتے تھے کہ نئی مسلم ریاست اگر کبھی وجود میں آئی بھی تو اُس کی شکل غیر دینی ریاست کی ہوگی۔"(46) کے ٹھوس اور مدلل جواب دینے کے بجائے توضیح و تشریح کو ترجیح دی اور اپنے "تبصرہ" میں لکھا کہ:

> "مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تقسیم ہند سے پہلے جس بِناء پر یہ کہا تھا کہ مجوزہ پاکستان ایک اسلامی ریاست نہ بن سکے گا وہ یہ نہ تھی کہ وہ اسلامی ریاست کے قیام کے مخالف تھے بلکہ اِس کے برعکس وہ تو مسلم لیگ سے اِس لیے الگ رہے کہ اُن کو امید نہ تھی کہ اِس ذہنیت اور اِس کریکٹر کی جماعت کے ہاتھوں کبھی کوئی اسلامی ریاست وجود میں آسکے گی۔"(47)

جماعت کا یہ منطقی استدلال اُس کے قیامِ پاکستان مخالف تاثر کی نفی نہیں کرتا۔ مخالفت کا یہ رویہ منیر انکوائری رپورٹ اور جماعت کے تبصرہ دونوں میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ منیر انکوائری کا اقتباس مخالفت کا صاف اور واضح اظہار کر رہا ہے جبکہ جماعت کی "تبصرہ" میں پیش کی گئی وضاحت مولانا مودودی کی مخالفت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اور اُس کے قائدین کی دیانت، ایمانداری اور سچائی پر انگلیاں اُٹھا رہی ہے اور اُن کے اُس بے داغ اور بے لوث کردار و عمل کو توہین و تضحیک کا نشانہ بھی بنا رہی ہے جس پر مسلمانوں کا سوادِ اعظم کامل یقین و بھروسہ رکھتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت اسلامی نے اپنی اور مولانا مودودی کی متنازعہ پوزیشن کی صفائی دینے کے بجائے اِس قسم کا اندازِ توضیح و تشریح ہی نہیں اپنایا بلکہ معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے ہوئے یہ بھی تسلیم کیا کہ:

> "ہم نے یہ تبصرہ اپنی سعی کی حد تک علمی نقطہ نگاہ سے مرتب کیا ہے اور ارادی حد تک ہم نے کسی موقع پر یہ نہیں چاہا کہ تحقیقاتی عدالت کے فاضل جج یا کسی بھی متعلقہ فرد یا پارٹی کی نیت یا عزت پر کوئی حملہ کریں یا کسی کے جذبات کو تکلیف پہنچائیں.... اِس تبصرے میں مقصود کسی کی دل آزاری کرنا نہیں ہے بلکہ صرف واقعات کی توضیح اور علمی حقائق کی تشریح ہے۔"(48)

اُس نے تحقیقاتی عدالت کی جانب سے اٹھائے گئے بعض اہم نکات پر مدلل جواب دینے کے بجائے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ:

"آیا یہ اُمور اِس تحقیقات میں عدالت کے لیے فی الواقعہ تصفیہ طلب تھے۔؟ کیا اِن کو باقاعدہ تصفیہ طلب مسائل کی حیثیت دے کر جماعت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اِن میں اپنی پوزیشن کو خود واضح کرے۔؟ مثلاً یہ سوالات کہ تقسیم سے پہلے پاکستان کے قیام کے معاملہ میں کس جماعت کی کیا پوزیشن تھی یا یہ کہ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے کونسی جماعت کن ذرائع و وسائل کے استعمال کی قائل ہے اور کن کی نہیں۔ بظاہر نہ تو اِس عدالت میں تصفیہ طلب ہی تھے اور نہ اِن کو کبھی باقاعدہ ایک تنقیح بنا کر کسی سے اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لیے کہا گیا۔"(49)

گویا جماعت نے منطقی استدلال، چینی نکتہ چینی اور اگر، مگر، چونکہ اور چنانچہ کے لفظی گورکھ دھندے میں الجھا کر انکوائری رپورٹ کے مندرجات سے عوام کی توجہ ہٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اُس نے خود کو پاکستان کا خیر خواہ اور وفادار ثابت کرنے کا سہل اور آسان حل نکالتے ہوئے لکھا:

"جس طرح رپورٹ کے مصنفین ملک کے خیر خواہوں کی حیثیت سے سوچتے ہیں اُسی طرح اِس پر تبصرہ کرنے والے بھی ملک کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں۔"(50)

جبکہ اِس کے بر خلاف مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش درانی نے "محاسبہ" (جو معنوی اعتبار سے پوچھ گچھ، حساب وپڑتال اور احتساب کا مظہر تھی) میں منیر انکوائری رپورٹ کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے جرات مندانہ موقف اپنایا۔ اور اِسے اُن چھ اندھوں کے تصوراتی خیال سے تشبیہ دی جنہوں نے ہاتھی کو ٹٹول کر اُس کے وجود کو اپنے اپنے احساسات کے مطابق محسوس کیا ہو۔ چنانچہ اِس حوالے سے مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش لکھتے ہیں کہ:

"عدالتِ تحقیقاتِ فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کی رپورٹ جو ایک ضخیم کتاب کی شکل میں شائع ہوئی ہے اُس ہاتھی کی مانند ہے جس کے مختلف اعضاء کو چھ (6) اندھوں نے اپنے ہاتھوں سے ٹٹولا اور اپنی حسِ لامسہ کی مدد سے ہاتھی کے متعلق ہر ایک نے اپنا جدا جدا مخصوص تصور قائم کر لیا۔ ایک نے کہا ہاتھی ایسا ہے جیسے عمارت کا ستون، دوسرا بولا ایک بہت بڑا چھاج، تیسرے نے کہا موٹا سا اژدھا، چوتھے نے کہا ہاتھ بھر کی موٹی رسی، پانچویں نے کہا ناہموار سا چبوترہ، چھٹے نے ارشاد فرمایا وہ تو ایک دیوار سی تھی اور بس۔(51)

مولانا لکھتے ہیں کہ اِس رپورٹ نے بعینہ اِسی قسم کی کیفیت عامۃ الناس میں پیدا کر رکھی ہے اور ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اِس کے متعلق اپنا خیال اور تصور قائم کر چکا ہے یا کر رہا ہے۔ اُنہوں نے لکھا کہ عدالتِ تحقیقات محض فسادات کی ذمہ داری کا سراغ لگانے اور فسادات کے سلسلے میں حکومت پنجاب کے اختیار کردہ ذرائع کا مکتفی یا نامکتفی ہونا معلوم کرنے کے لیے معرض وجود میں لائی گئی تھی لیکن اِس کا دائرہ کار بتدریج وسیع تر ہوتا چلا گیا اور اس عدالت نے فسادات کے اسباب و علل کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش میں ایسی علمی اور عملی کوائف کا جائزہ بھی لینا چاہا جو اِس عدالت کے بجائے اگر کسی علمی بحث و مناظرہ کی مجلس میں پیش کیے جاتے تو مفید تر نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے۔

اُنہوں نے عدالت میں علماء کرام کے درمیان "مسلم" یعنی مسلمان کی معین تعریف کے اختلاف کو جسے فاضل جج صاحبان نے علماء کو مطعون کرنے کے لیے استعمال کیا تھا، عدالت کا غلط استنباط قرار دیا اور لکھا:

> "علمائے دین نے عدالت کے اِس سوال کے جواب میں جو بیانات دیئے ہیں وہ الفاظ و عبارت کے لحاظ سے تو بلاشبہ ایک نہیں لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اُن میں کسی قسم کا اختلافِ نظر نہیں۔ جن علمائے دین سے یہ سوال کیا گیا اُن سب نے توحید باری تعالیٰ اور رسالت محمد یہ ﷺ پر ایمان لانے اور ضروریات دین کا اقرار کرنے کو 'مسلم' کہلانے کے لیے ضروری قرار دیا۔"(52)

اُنہوں نے اِس عدالتی طریقہ کار پر کڑی تنقید کی اور لکھا کہ اگر عدالت مسلم کی ایسی جامع و مانع تعریف حاصل کرنا چاہتی تھی جسے اسلامی مملکت کے دستور اساسی میں شامل کیا جا سکے تو اِس کا صحیح طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اِس سوال کو علمائے دین کی مجلس میں پیش کر کے ایک جامع تعریف معین کراتی۔ اُنہوں نے ارتداد اور کفر و تکفیر کے حوالے سے بھی فاضل جج صاحبان کے خیالات کی گرفت کی اور عدالت کی اِس کوتاہی کی طرف توجہ دلائی کہ:

> "فاضل جج صاحبان رپورٹ کے اِس مقام پر اگر تکفیر کی وہ تصریح درج کر دیتے جو مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے عدالت کے سامنے پیش کی تھی اور بتایا تھا کہ اُن کے نزدیک کفر کی دو قسمیں ہیں: ایک کفر قطعی اور ایک کفر فقہی، کفر قطعی کی صورت میں اُس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر فقہی کی صورت

میں دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ تو رپورٹ پڑھنے والوں کو اِس اشکال کی ماہیت سمجھنے میں بہت مدد ملتی۔"(53)

اُنہوں نے فریضہ جہاد بالسیف اور اِس سے متعلقہ نکات مثلاً مال غنیمت، خمس، اسیر انِ جنگ، دار الحرب، دار السلام، ہجرت، غازی اور شہید وغیرہ پر عدالتی افکار کو التباس کا شکار قرار دیتے ہوئے لکھا کہ:

"اگر عدالت اِن مسائل کے بارے میں پوری تحقیقات کرنے کی زحمت گوارا کرتی تو جج صاحبان کے ضمائر پر یہ بات روشن ہو جاتی کہ جنگ اور اِس سے متعلقہ کوائف کے بارے اسلام کے تصورات اُن تصورات سے کہیں افضل اور نوع انسانی کے لیے آیہ رحمت و موجب خیر و برکت ہیں جو عصر حاضر کے مفکرین نے صدہا سال کے تجربوں پر غور و فکر کرنے کے بعد قائم کیے۔"(54)

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اور مودودی کے اِس تصورِ جہاد کی نفی اور تردید بھی کی کہ تلوار کی طاقت کے زور پر اسلام کی اشاعت کی جائے۔ اُنہوں نے واضح کیا کہ اسلام میں جہاد کا بنیادی نقطہ دینِ اسلام اور مسلمانوں کے جان و مال، عزت و آبرو اور دینی و ملی شعائر کے دفاع کی خاطر اسلحہ اٹھانا اور جنگ کرنا ہے۔ دنیا میں جب تک اسلام اور مسلمانوں سے بر سرِ پیکار رہنے والی قومیں موجود ہیں مسلمانوں کے لیے شمشیر بکف رہنا اور قرآن پاک کے بتائے ہوئے اُصول و قواعد کے مطابق دفاعی جنگ جاری رکھنا ضروری اور ایک لازمی اَمر ہے۔ اُنہوں نے لکھا کہ اسلام کو جارحیت اور نسل کشی کا حامی قرار دینا دشمنان اسلام کا پروپیگنڈا ہے۔ مسلمانوں نے عملاً جارحیت اور نسل کشی سے اجتناب کیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں نسل کشی کی کوئی مثال دکھائی نہیں جاسکتی۔ اُنہوں نے اِس تصور کی بھی نفی کی کہ ایک صحیح اسلامی مملکت کو اِس اَمر کا خوف لاحق نہیں ہو سکتا کہ عصر حاضر کے بین الاقوامی قوانین کے ساتھ اسلام کے قوانین منطبق نہیں ہوتے بلکہ صحیح اسلامی مملکت اگر بین الاقوامی محافل کے سامنے اسلام کے قوانین پیش کرے تو دنیا کے مذاق سلیم کو اپنا ہم نوا بنا سکتی ہے۔

اُنہوں نے مال غنیمت اور خمس کے حوالے سے اسلامی قانون سے متعلق فاضل جج صاحبان کے اِس گمانِ فاسد کہ "اگر مال غنیمت اور خمس کو جہاد کے لوازم خیال کیا جائے تو بین الاقوامی سوسائٹی اِسے خالصۃً لوٹ کا مال تعبیر کرے گی۔" کی اصلاح کی اور اُن پر واضح کرتے ہوئے لکھا کہ:

"اسلام کے نزدیک جہاد ایک مذہبی فریضہ ہے جو خالصۃً فی سبیل اللہ ادا کیا جاتا ہے۔ جہاد کی نیت کو اگر کسی قسم کے دنیوی لالچ سے آلودہ کر لیا جائے تو وہ جہاد نہیں رہتا۔ لیکن جنگ میں مال غنیمت کا ہاتھ آنا ایک لازمی اَمر ہے۔ عصر حاضر کی جنگوں میں بھی فاتح فریق مال غنیمت پر قبضہ جمالیتا ہے اور وہ مال فاتح فریق کا حق متصور ہوتا ہے یہی قانون اسلام کا ہے۔ اسلام کی رُو سے اصولاً مال غنیمت بیت المال کا حق متصور ہوتا ہے۔ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ (سورہ انفال: 1) کی آیہ اِس پر دال ہے۔ اِس کے بعد خمس یعنی پانچویں حصے کو بیت المال میں رکھنے اور باقی مال کو مجاہدین پر بحصہ رسدی تقسیم کر دینے کا جو حکم قرآن پاک میں مذکور ہے وہ مخصوص حالات سے متعلق ہے۔ یہ مال صرف اُن مجاہدین پر بانٹا جاتا ہے جو محض اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی نیتِ خالص کے ساتھ اپنے خرچ پر اور اپنا ساز و سامان لے کر میدانِ جنگ میں حاضر ہوتے ہیں۔"[55]

ساتھ ہی اُنہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ اسلام نے مد مقابل کے اموال لوٹنے کو اپنا حق سمجھنے اور انفرادی حیثیت سے دشمن کا مال لوٹ کر اُس پر اپنا قبضہ جمانے سے منع کیا ہے۔ اور خمس و تقسیم کا حکم صرف اُس مال کے لیے ہے جو جنگ کے نتیجے میں خود بخود ہاتھ لگ جائے اور اُس کی تقسیم بھی امیر کی مرضی پر موقوف ہو۔ امیر چاہے تو سارے مالِ غنیمت کو بیت المال میں داخل کر کے مجاہدین کے وظائف مقرر کر سکتا ہے۔

مولانا مرتضی احمد خان میکش نے اسلام میں غلامی کے تصور سے متعلق مغربی دنیا میں موجود غلط فہم و فکر کو دور کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ اسلام میں جس کیفیت کو غلامی کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ کس قدر رحم دلانہ سلوک کی حامل ہے۔ جبکہ دنیا کی مہذب ترین قومیں عصر حاضر میں اسیرانِ جنگ کو موت کے گھاٹ اتارنے اور اُنہیں بدترین صورتوں میں غلام بنا کر رکھنے کی مرتکب ہو رہی ہیں اور اسلام کو بدنام کیا جارہا ہے کہ اُس نے اسیران جنگ کو مخصوص حالات میں غلام بنانے کی اجازت دی ہے۔ اِس بات کو کوئی نہیں دیکھ رہا کہ اسلام میں غلام کے حقوق اور اُس کا درجہ کیا ہے۔؟ جبکہ عصر حاضر کے دانشور اور فلسفی اسیرانِ جنگ سے متعلق کوئی ایسا قاعدہ وضع نہ کر سکے جو اسلام کے بتائے ہوئے قاعدے سے بہتر ہو اور جس کی رُو سے جنگی اسیر امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکیں۔

الغرض مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے ریاست و حکومتی نظام سے متعلق پیش کردہ اسلامی تصورات اور جمہوری ریاست سے متعلق جدید سیاسی فکر میں تصادم اور الجھاؤ، لہو و لعب، آرٹ اور اسلام، جمہوریت قیادت اور نمائندہ حکومت اور ارباب سیاست و قیادت کی کوتاہیوں پر مدلل اور سیر حاصل انداز فکر اپنایا۔ آپ نے فاضل جج صاحبان کے منفی انداز فکر، تردد و مغالطوں اور علمی و فکری کجی کو دور کرنے کی پوری کوشش کی۔ اور حکومت وار بابِ اقتدار کو صائب مشورے بھی دیئے۔ ساتھ ہی آپ نے مغرب زدہ فکر کی خوف زدگی کا ذکر کرتے ہوئے اہل علم و علماء کو عصر حاضر یں درپیش مسائل اور چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی صف بندی کرنے کا بھی مشورہ دیا۔ اور لکھا کہ:

> "اِس رپورٹ میں من جملہ دیگر اُمور کے یہ بات نہایت واضح طور پر اور عام اشجار کے مقابلے میں شمشاد و صنوبر کی بلند قامتی کے ساتھ نمایاں طور پر ظاہر ہو رہی کہ ہمارے ملک کا وہ طبقہ جو برسر اقتدار ہے اور جس کے اذہان نے مغربی افکار کی گود میں پرورش پائی ہے۔ بے طرح ذہنی غلامی کا شکار ہو رہا ہے اور اپنے ہاں کی ہر چیز کو حتیٰ کہ دینی معتقدات و شعائر کو بھی قدروں کے اُسی معیار پر پرکھنے کا عادی ہے جو اہل مغرب کی فکر نے عصر حاضر میں مقرر کر لیا ہے اور جس میں مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ دوسری جانب ہمارا وہ طبقہ ہے جس نے علومِ دینیہ کے مطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے عصری افکار سے ناآگاہ ہونے کے باعث اسلام کی تعلیمات کو ایسے انداز میں پیش کرنے سے قاصر ہے جو عصر حاصر کے دماغوں کے لیے قابل فہم ہو۔ رپورٹ میں جابجا اِس اَمر کے اعترافات و اظہارات موجود ہیں کہ ہمارے اربابِ اقتدار کو جن ملحوظات و مفکورات نے عامۃ المسلمین کے سہ گانہ مطالبات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے سے روکے رکھا۔ وہ یہی تھے کہ باہر کی دنیا ہمیں کیا کہے گی۔؟"(56)

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش کے نزدیک یہ اُس مغربی افکار و نظریات سے متاثرہ طبقے کا طرز عمل ہے جو مغرب کے افکار، اہل مغرب کی معاشرت اور اُن کے طرز بود و باش سے اِس حد تک مسحور ہو چکا ہے کہ زندگی کے متعلق اسلام کے تصورات کی عظمت و ماہیت کا اخذ کرنا بھی اُس کے دماغ کیلئے بڑا مشکل اور کٹھن کام بن رہا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ سیاسیات و معاشرت میں بین الاقوامی فکر ابھی ارتقائی منازل طے کر رہی ہے اور اُن تلخ تجربوں کی روشنی میں جو نوع انسان کو ہر شعبہ حیات میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ کسی

مستقل اور پائیدار حل کو تلاش کرنے میں سر گرداں ہے جبکہ اسلام اب سے چودہ سو سال پہلے اِن جملہ مشکلات کا حل نوع انسان کے سامنے پیش کر چکا ہے۔ اگر نوع انسان کی فکر اُس چراغ کی روشنی سے استفادہ کرتے ہوئے جو اسلام نے روشن کر رکھا ہے، راستہ تلاش کرے تو انسانیت صراط مستقیم پر سرعت رفتار کے ساتھ گامزن ہو سکتی ہے اور اُن منازل مقصود تک جلد از جلد پہنچ سکتی ہے جن تک پہنچنے کے لیے اُس کے شعوری اور لاشعوری تقاضے اُسے بے قرار رکھتے ہیں۔ انہوں نے اِس بات پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ نوع انسانی کو یہ روشنی دینا اور یہ صراط مستقیم دکھانا مسلمانوں سے مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔ چنانچہ اہل علم، علماء اور دینی طبقے کو اِس ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ اِن (اپنی) صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے اور اقوام عالم کے سامنے اِن مسائل کا صحیح حل پیش کرنے کے لیے اسلام کی تعلیمات یعنی قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کرنے کی سعی کی جائے اور اِس بارے ہیں پوری تحقیق اور کاوش سے کام لیا جائے۔ تجدید اسلام یا احیائے دین اسی سعی کا نام ہے اور یہ سعی و کوشش ایسے ادوار میں ضروری ہو جاتی ہے جب مسلمانوں میں بیرونی اثرات کی وجہ سے فکر و عمل کی گمراہیاں ترقی پزیر ہو جاتی ہیں"(57)

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش کے جامع مدلل اور جاندار تبصرے نے منیر انکوائری رپورٹ کے حوالے سے عوام اور خواص میں پائی جانے والی بے چینی اور تذبذب کو دور کرنے میں بہت مدد دی۔ اِس تبصرے میں مولانا میکش نے رپورٹ کے مثبت اور منفی تمام پہلوؤں کی ہی نشاندہی نہیں کی بلکہ فاضل ججز کے انداز فکر اور علمی و فکری مغالطوں پر بھی عملی جرح کی۔ آپ نے اپنے تجزیے ہیں مرکزی و صوبائی حکومت کی کوتاہی، قادیانیوں کی اشتعال انگیزی، مسلمانوں کیلئے اُن کے جارحانہ عزائم اور مرزا بشیر الدین محمود، چوہدری ظفر اللہ خان و مرزائی سرکاری افسران کے متعصبانہ طرز عمل کے ساتھ ساتھ احرار اور زعمائے احرار کے پُر تشدد جارحانہ حکمت عملی، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اور اُن کی حکومت کی احراری سر گرمیوں پر غفلت، چشم پوشی، کوتاہی اور ایسے اخبارات کی مالی معاونت جو ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز کی ایماء پر تحریک کو خاص رخ پر ڈالنے کیلئے مضامین شائع کرتے رہے، پر بھی سخت تنقید اور گرفت کی۔ آپ نے اِس رپورٹ کو ایک ضخیم اور متنوع دستاویز قرار دیا۔

اور آخر میں "محاسبہ" کی اشاعت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اِس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ

"اُن لوگوں کو جنہیں ضخیم رپورٹ پڑھنے کی فرصت نہیں ایک مرتب اور اجمالی صورت میں ملک کے اہم کوالف و مسائل پر فاضل جج صاحبان کی تنقیدات سے روشناس کر دیا جائے۔" دوسرا مقصد یہ ہے کہ "اُن غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی سعی کی جائے جو اِس رپورٹ کے مندرجات پر پوری توجہ نہ دینے کی وجہ سے عامۃ الناس میں بلکہ پڑھے لکھے حلقوں میں پھل پھول رہی ہے۔" اور تیسرا اہم اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ "مملکت عزیز پاکستان کے جملہ عناصر کی توجہ دلائی جائے کہ وہ اِس کے مندرجات کی روشنی میں اپنے فکر و عمل کے رجحانات کا جائزہ لیں اور آئندہ کے لیے اِن رجحانات سے بچنے کی کوشش کریں"(58)

خاتمہ کلام کرتے ہوئے مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش لکھتے ہیں کہ

"پاکستانی معاشرے کے مختلف عناصر کا کام یہ ہے کہ عدالتِ تحقیقات کی اِس رپورٹ کے آئینے میں اپنے اپنے چہرے دیکھیں اور ایسا طرز عمل اختیار کریں جو ملک میں امن و سکون کی فضاء کو تقویت دینے کا موجب ہو۔ جان لینا چاہیے کہ ہمارے ملک کو اِس سلسلے میں اہم فکری اور حیاتی مسائل درپیش ہیں۔ جن کو خوش اسلوبی کے ساتھ اور وطن خواہی کی اسپرٹ میں حل کیے بغیر ہم امن و سکون کی وہ فضاء پیدا نہیں کر سکتے جو کسی ملک کو یا کسی معاشرے کو ترقی و بلندی کی شاہراہ پر گامزن کرنے کے لیے ضروری ہے۔ ایسے اہم مسائل کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے یا اُن کو حل کرنے کی سعی سے گریز کرنے کی روش معاملات کو مزید الجھاؤ ہی میں ڈالنے پر منتج ہو سکتی ہے۔ سلجھاؤ پیدا نہیں کر سکتی.... جب تک اربابِ حکومت سیاسی پارٹیاں اور اربابِ قیادت اور ملک کے دیگر عناصر اِن مسائل کا خوشگوار حل تلاش کرنے کیلئے کمر ہمت باندھ کر آگے نہیں بڑھیں گے اور باہمی مشورت اور افہام و تفہیم سے ایسے نتائج پر پہنچنے کی کوشش نہیں کریں گے جو تصادموں کو روکنے اور فسادات کے سرچشموں کو بند کر دینے والے ہوں۔"(59)

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش درانی چونکہ مجلس عمل کے وکیل کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے تھے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے عدالت کو متاثر کر چکے تھے۔ اِس لیے عدالت نے آپ کی محنت، لیاقت اور صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے ساتھ کام

کرنا ایک نیا اور خوشگوار تجربہ قرار دیا اور تسلیم کیا کہ مولانا میکش نے علماء کے کیس پر نمایاں زور بیان سے بحث کی اور انہوں نے اُن تمام دشنام آمیز تقریروں کی مذمت کی جو ادنیٰ درجے کے لیڈروں نے کی تھیں۔[60]

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش ایک بہترین مترجم اور انگریزی زبان پر عبور رکھتے تھے۔ اُنہوں نے رپورٹ کے متعدد پیرا گراف کا اردو ترجمہ اِس خوش اسلوبی سے کیا کہ جب یہ ترجمہ روزنامہ نوائے پاکستان کے خاص رپورٹ نمبر میں شائع ہوا تو جسٹس منیر نے 3، ستمبر 1954ء کو آپ کے نام خط میں مہارتِ ترجمہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

"آپ کا گرامی نامہ مع رپورٹ نمبر نوائے پاکستان موصول ہوا۔ شکریہ اقتباسات کے ترجمہ میں جو اصل رپورٹ کی سطح آپ نے قائم رکھی وہ قابل رشک ہے۔ وہ ترجمہ کیا جو صاف ترجمہ نظر آئے۔ اگر ہم اردو میں اِس موثر طریقہ سے اظہار خیال کر سکتے جس طرح آپ نے ترجمہ میں کیا ہے تو ہم یقینا رپورٹ اردو میں ہی لکھتے، گورنمنٹ اگر چاہتی انگریزی سے ترجمہ کرا لیتی۔ اسلامک سٹیٹ کی ضروریات جو ہم نے اپنے نقطہ نظر سے بیان کی ہیں اُن کا اقتباس بمع اپنی رائے آپ نے کیوں پیش نہیں کیا اور مولانا ہم نے تو بہ قول آپ کے صرف چوبھ ہی دی تھی اور آپ چوٹ مار گئے نہ.... کیا کیانی (جسٹس رستم کیانی) کو کوہاٹ کے پتہ پر بھی آپ نے رپورٹ نمبر بھیجا وہ یقینا خوش ہوئے ہوں گے۔"[61]

آپ کی صلاحیتِ ترجمہ نگاری کی تعریف کرتے ہوئے شورش کاشمیری نے لکھا کہ:

"انگریزی سے اردو ترجمہ کرتے ہیں تو اصل سے بڑھ جاتا ہے، فارسی اُن کے گھر کی لونڈی ہے، اردو خوب لکھتے ہیں لیکن لکھنوی دہلوی یا لاہوری کسی اُسلوب کے پیرو نہیں۔ اُن کا اپنا اُسلوب ہے۔ زبان گنجلک تو نہیں ادق ہوتی ہے، انگریزی کے ہر لفظ کو مشرف بہ اسلام کر لیتے ہیں، الفاظ کو مفرس یا معرب کرنے میں اُنہیں ید طولیٰ حاصل ہے۔"[62]

شورش کاشمیری نے یہ بھی تسلیم کیا کہ

"ختمِ نبوت کی تحریک میں اُنہوں نے منیر انکوائری کمیشن کے سامنے جس قابلیت اور جس جرات سے کلمۃ اللہ کی پشتبانی کی وہ اُنہیں کا حصہ تھا۔ اُن کی قابلیت کا کمیشن نے بھی اعتراف کیا۔ لیکن اِس رپورٹ میں علماء کا

استخفاف کیا گیا بلکہ یہ رپورٹ اسلام کے خلاف مسلمان ججوں کی لکھی ہوئی ایک خطرناک دستاویز ہے۔رپورٹ چھپ کر سامنے آئی تو لوگ مارشل لاء کی مار کھا کے بے حوصلہ ہو چکے تھے۔مرتضیٰ احمد نے اِس رپورٹ کا تجزیہ کیا اور اُن تمام غلط باتوں کی نشان دہی کی جو مصنفین کے قلم سے نکلی تھیں۔خوف اُن کی چمڑی میں تھا ہی نہیں، بلکہ خوف اُن سے بھاگتا تھا۔"[63]

خلاصہ کلام(Conclusion)

زیر بحث دونوں تنقیدی محاکمات مورخین کے لیے فی الوقت بنیادی مآخذات کا درجہ رکھتے ہیں۔ان کا جائزہ بتاتا ہے کہ کہ کون سا تبصراتی شذرہ حقیقت حال کا صحیح عکاس تھا اور کون سا شذرہ محض تکنیکی موشگافیوں کا سہارا لیتے ہوئے حقائق کا کماحقہ سامنا کرنے سے گریزاں تھا۔ مورخ آج نہایت آسانی سے وطن عزیز کو درپیش حالیہ نظریاتی بحران کے حل کے لیے پالیسی سازوں اور مختلف کارپردازان (Stakeholders) کو رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔مزید برآں مسلکی وابستگی سے بالاتر ہو کر اتحاد اُمت، ملکی امن و استحکام اور اسلام کے عالمی غلبے کی حقیقی مساعی کے لیے روڈ میپ بھی فراہم کر سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

(1) ممتاز محقق، مورخ، مترجم اور صحافی مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش کی پیدائش 12، مئی 1899ء کو ہوئی۔آپ مشہور افغانی قبیلے درانی کی شاخ ''محمد زئی'' سے تعلق رکھتے تھے۔والد کا نام مرید احمد خان تھا۔مارچ ۸۱۹۱ء میں مشنری اسکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔۲۲،سال کی عمر میں جہاد افغانستان میں شرکت کے لیے کابل چلے گئے اور کم و بیش پانچ ماہ انگریز فوج کے خلاف گوریلا کاروائیوں میں مصروف رہے۔ایام شباب میں مولانا کی طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوئی۔اپنی ایک نظم بہ غرض اصلاح علامہ اقبال کو بھجوائی۔جواباً علامہ اقبال نے شاعری ترک کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا''قوم کے نوجوانوں کو اپنے قواء کے لیے بہترین جولان گاہ تلاش کرنی چاہیے۔'' چنانچہ شاعری ترک کرتے ہوئے اپنی ڈائری میں لکھا۔''میں علامہ اقبال کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اگرچہ صحیح راستہ کی راہ نمائی نہیں کی تو کم از کم مجھے ایک غلط راستہ پر گامزن ہونے سے تو روک

دیا۔ آج میں اِس اَمر کو سمجھنے کے قابل ہو گیا ہوں کہ علامہ اقبال کے بعد دنیائے اسلام کو فی الحال کسی شاعر کی ضرورت نہیں۔" (بحوالہ:۔ ردِ قادیانیت اور سنّی صحافت، جلد سوم، از، محمد ثاقب رضا قادری، ص:22، اکبر بک سیلرز لاہور، مارچ 2017ء)

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے 1921ء میں صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ اور اپنے عہد کے نامور اخبارات سے وابستہ رہے۔ آپ کئی مشہور زمانہ اخبارات جن میں روزنامہ زمیندار لاہور، روزنامہ تنظیم امر تسر، روزنامہ انقلاب لاہور، روزنامہ انصاف لاہور، روزنامہ افغانستان لاہور، روزنامہ احسان لاہور، روزنامہ شہاب لاہور، روزنامہ مغربی پاکستان لاہور اور روزنامہ نوائے پاکستان لاہور شامل ہیں، کے مدیر اعلیٰ رہے۔ اِس کے علاوہ آپ مختلف مذہبی و سیاسی تنظیموں خصوصاً نیوز ایڈیٹرز کانفرنس، انجمن افاغنہ، پاکستان، آل پاکستان مہاجر کنونشن سے بہ حیثیت صدر اور جمعیت علماء پاکستان سے بہ حیثیت قانونی مشیر بھی وابستہ رہے۔ اُنہوں نے متعدد علمی و تحقیقی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ 1950ء میں "پاکستان میں مرزائیت کا مقام اور مستقبل" کے عنوان سے آپ نے دس اقساط پر روزنامہ "مغربی پاکستان" میں اداریہ لکھا۔ جس میں حکمران طبقہ پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ مرزائی مسلمانوں سے الگ اُمت ہیں اور صرف اپنے مذموم سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ نیز یہ طبقہ انگریز سامراج کی پیداوار، اکھنڈ بھارت کا حامی و طلب گار اور پاکستان کو مرزائی اسٹیٹ بنانا چاہتا ہے خواہ اِس کے لیے اُن کو کسی بھی خطرناک حد تک جانا پڑے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں تاریخ اسلام دو جلدیں، تاریخ اقوام عالم، سیرت سید المرسلینا، اخراج اسلام از ہند، دردِ دل (شاعری)، تقدیر (الہامی افسانے)، تدبیر (الہامی افسانے) اور "قطبی برفستان" وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے ردِ قادیانیت پر بھی متعدد کتابچے لکھے جن میں "محاسبہ" کے علاوہ "مرزائی نامہ"، "پاکستان میں مرزائیت"، "قادیانی سیاست" اور "کیا پاکستان میں مرزائیوں کی حکومت ہو گی؟" زیادہ معروف ہیں۔ (ثاقب رضا قادری، تحریک ختم نبوت اور نوائے وقت، ص:77، دار النعمان پبلی شرز لاہور، جون 2017ء) مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے زندگی کے آخری ایام انتہائی عسرت و تنگدستی میں گزارے مگر کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ 27، جولائی 1959ء کو حرکت قلب بند ہونے کے سبب اِس مرد قلندر نے سفر آخرت اختیار کیا۔ انتقال کے وقت بینک بیلنس صرف تین روپے تین آنے تھا۔ آپ کی تدفین گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں عمل میں لائی گئی۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا سیّد ابوالبرکات قادری (انجمن حزب الاحناف لاہور) نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(2) رپورٹ تحقیقاتی عدالت، برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء، ص:2

(3) ایضاً ص:6

(4) ایضاً ص:3

(5) ایضاً ص:5

(6) ایضاً ص:6

(7) ایضاً ص:5

(8) ایضاً ص:6

(9) ایضاً ص:5
(10) ایضاً ص:6
(11) ایضاً ص:2
(12) پروفیسر محمد سرور (ایڈیٹر آفاق) کے بیان کے مطابق "آفاق" ممتاز دولتانہ کا اخبار تھا۔ دیکھئے رپورٹ تحقیقاتی عدالت، برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء، ص:84
(13) ایضاً ص:304۔252۔251
(14) ایضاً ص:260
(15) ایضاً ص:254
(16) ایضاً ص:303
(17) ایضاً ص:262۔261
(18) ایضاً ص:271۔270
(19) ایضاً ص:271
(20) ایضاً ص:11۔10
(21) ایضاً ص:13
(22) ایضاً ص:86
(23) ایضاً ص:86
(24) ایضاً ص:278۔277
(25) ایضاً ص:52
(26) ہفت روزہ سواد اعظم، 10، اکتوبر 1958ء اداریہ، مشمولہ مفتی غلام معین الدین نعیمی، حیات وخدمات، محمد ثاقب رضا قادری، ص:290۔288، دار النعمان پبلیشرز غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور، جولائی 2018ء
(27) ایضاً ص:211۔8
(28) ایضاً ص:280
(29) ایضاً ص:281۔280
(30) ایضاً ص:213

(31) تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ، مرتبہ نعیم صدیقی وسعید احمد ملک، ص:۵۱، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان اچھرہ لاہور، جنوری 1955ء

(32) ایضاً ص:14۔13

(33) ایضاً ص:10

(34) ایضاً ص:10

(35) ایضاً ص:16۔15

(26) ایضاً ص:19

(37) ایضاً ص:11

(38) ایضاً ص:13

(39) ایضاً ص:18

(40) ایضاً ص:12

(41) ایضاً ص:23

(42) ایضاً ص:23

(43) ایضاً ص:28

(44) ایضاً ص:35

(45) رپورٹ تحقیقاتی عدالت، برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء، ص:261

(46) تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ، مرتبہ نعیم صدیقی وسعید احمد ملک، ص:31، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان اچھرہ لاہور، جنوری 1955ء

(47) ایضاً ص:31۔30

(48) ایضاً ص:208

(49) ایضاً ص:33

(50) ایضاً ص:13

(51) مرتضیٰ احمد خان میکش درانی، مولانا، محاسبہ، یعنی عدالت تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء کی رپورٹ پر ایک جامع اور بلیغ تبصرہ،

(نوٹ:۔ یہ رسالہ سب سے پہلے روزنامہ ''نوائے پاکستان'' کے خاص رپورٹ نمبر مورخہ 29، اگست 1954ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ مشمولہ رد قادیانیت اور سنی صحافت، ص:262، جلد سوم، مولف، محمد ثاقب رضا قادری، اکبر بک سیلرز لاہور، مارچ 2017ء۔ واضح رہے کہ اِس رسالے کو احتساب قادیانیت، مولوی اللہ وسایا، جلد 28، مئی 2009ء، اور عقیدہ ختم نبوت، مفتی محمد امین، جلد ہشتم میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔)

(52) ایضاً

(53) ایضاً

(54) ایضاً

(55) ایضاً　(56) ایضاً

(57) ایضاً　(58) ایضاً　(59) ایضاً

(60) رپورٹ تحقیقاتی عدالت، برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء، ص:321۔7

(61) محمد ثاقب رضا قادری، رد قادیانیت اور سنی صحافت، جلد سوم، ص:26، اکبر بک سیلرز لاہور، مارچ 2017ء

(62) شورش کاشمیری، نور تن، ص:138، مطبوعات چٹان لاہور، 1968ء

(63) ایضاً　ص:142

☆☆☆☆☆